ہم وتربیت اور سرپرستوں کی ذمہ داری

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

﴿یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ علیھا ملئکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون﴾ (التحریم: ٦)

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ بجالاتے ہیں۔''

قرآن کریم کی یہ آیت جو اس سے پہلے بارہا آپ کے سامنے پڑھی گئی ہوگی اور قرآن کریم کی تلاوت میں آپ کی نظر سے گزری ہوگی، لیکن ضروری نہیں ہے کہ جو چیز بار بار نظر کے سامنے آئے، اس پر آدمی غور بھی کرے، آپ سڑکوں پر سے گزرتے ہیں، سائن بورڈ برسوں سے لگے ہوئے ہیں، آپ کی نظر بھی پڑتی ہے، لیکن آپ خود سوچئے کہ آپ نے کتنی بار غور سے پڑھا اور آپ کو یاد رہا، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ جس سڑک سے گزر کر آتے ہیں، اس میں اہم اہم سائن بورڈ کس چیز کے ہیں تو کم لوگ بتا سکیں گے۔

یہ آیت بڑی چونکا دینے والی ہے اور ایسی ہے کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہو کہ بار بار جو چیز سامنے ہوتی ہے، اس پر سے توجہ ہٹ جاتی ہے، وہ روزمرہ کی چیزوں میں سے سمجھی جانے لگتی ہے تو میں عرض کرتا اور اصرار کرتا کہ یہ آیت جلی حروف سے لکھوا کر دیواروں پر لگوادی جائے، مسجدوں میں بھی آویزاں کردی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یا ایھا الذین آمنوا﴾ ......اے وہ لوگو! جو ایمان لاچکے ہو، یہ ''آمنوا'' ماضی کا صیغہ ہے، ہر لفظ پر غور کیجئے، قرآن مجید کا کوئی لفظ اتفاقی یا بھرتی کا نہیں ہوتا، یہ کوئی شاعری نہیں ''ایھا المؤمنون'' کہا جاسکتا ہے، ''ایھا المسلمون'' کہا جاسکتا تھا، اے مسلمان! اے جماعت مؤمنین! لیکن فرمایا: ''یا ایھا الذین آمنوا'' اے وہ لوگو!

جوخود ایمان لاچکے ہو: ''قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ '' بچاؤ اپنی جانوں کو، اپنے گھر والوں کو، اپنے متعلقین کو، اپنے ماتحتوں کو آگ سے جس کا ایندھن ہے آدمی اور پتھر، اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے، وہ صحابہ کرام تھے، جو قرآن مجید کے نزول کے وقت موجود تھے، وہ اولین مخاطب تھے، یوں قیامت تک کی تمام مسلمان نسلیں اور جو بھی پیدا ہو اور اپنے کو مسلمان کہے، وہ سب مخاطب ہیں، لیکن پہلے مخاطب اس کے وہ لوگ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لاچکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا، جن کو شرف صحابیت حاصل تھا اور اس میں یقیناً وہ لوگ بھی تھے جو بیعت رضوان میں شریک رہے ہوں گے، جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے جان دینے پر بیعت کی تھی اور جن کے متعلق ارشاد ہے:

﴿لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً﴾ (الفتح:۱۸)

''(اے پیغمبرؐ) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا، وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔''

جن کو یہ انعام ملا تھا اور جن کو قیامت تک کے لیے سند دی گئی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا، ایسے سند یافتہ اور بلند مرتبہ لوگ بھی اس آیت کے مخاطب ہیں، جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے اور عشرہ مبشرہ بھی اس میں یقیناً شامل ہیں اور کبار صحابہ بھی اس میں شامل ہیں اور بدر اور احد کے ''زندہ شہید'' بھی مخاطب ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر اپنے لڑکوں کو اپنے گھر والوں کو آگ میں جھونکتا ہے، آگ میں گھسنے دیتا ہے؟ اس کا کیا مطلب کہ اللہ کہتا ہے کہ اے وہ لوگو! جو خود ایمان لاچکے ہو، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو بچاؤ، اپنے گھر والوں کو بچاؤ دوزخ کی آگ سے، کیا کوئی واقعہ آپ نے سیرت میں ایسا نہیں پڑھا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے (معاذ اللہ) ارادہ کیا تھا کہ اپنے بچوں کو آگ کے حوالے کردیں، یا بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے اور صحابہ کرامؓ اور اس وقت کے مسلمان خاموش بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے اور اس صورت حال پر راضی تھے، کیا ایسا کوئی واقعہ آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ تو کیا بے ضرورت یہ بات کہی گئی ہے کہ اے وہ لوگو! جو خود ایمان لاچکے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو، اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، یہ کون سی آگ تھی؟ اور کب یہ واقعہ پیش آیا تھا؟ یا پیش آنے والا تھا کہ مسلمانوں کے گھروں کے بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے اور ماں باپ سو رہے تھے، فکر نہیں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت وحی نازل کی، سب چونک گئے اور سب اپنے بچوں کی فکر میں لگ گئے کہ آگ میں چھلانگ نہ لگائیں، پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟؟

کیا اس آیت کا مطلب اس کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے کہ اپنے بچوں کو، اپنے گھر والوں کو ایسی چیزوں سے بچاؤ، جو آگ تک لے جانے والی ہیں، جن کا انجام یہ ہونے والا ہے کہ دوزخ میں جائیں، ورنہ وہ کون سے انسان ہیں جو اپنے بچوں کو آگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھیں اور ان کو روک نہ لیں؟ خطرہ صرف اس بات کا ہے کہ آدمی یہ نہ جانتا ہو کہ اس کے نتیجے میں جلنا ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے اسباب سے بچاؤ جو دوزخ کی آگ تک پہنچانے والے ہیں، اس کو فقہ کی زبان میں ''اسباب مؤدیہ'' کہتے ہیں، یعنی وہ اسباب جو کسی نتیجے تک پہنچانے والے ہوں، فقہاء کے نزدیک وہ بھی نتائج کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ایسی دوا دے رہا ہے، جس کے نتیجے میں موت ہوتی ہے، چاہے وہ دیر سے ہو، یہ عمل قتل ہی کے مترادف ہے اس لئے کہ اس نے وہ سبب اختیار کیا جس کے نتیجے میں موت کا آنا یقینی ہے تو قانون بھی اس کو قاتل کہے گا، حکیم صاحبان، ڈاکٹر صاحبان بھی اس کو قاتل ہی سمجھیں گے، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ تک پہنچا دینے والی ہیں۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ صورت حال اس وقت یہی ہے، بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام نہ کرنا، بچوں کو اس ماحول کے بالکل حوالے کر دینا اور ان کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا جو اس بات کا نہ مکلف ہے، نہ اس بات کا مدعی، نہ اس بات کا اہل کہ وہ بچوں کو وہ تعلیم دے گا، جس پر نجات موقوف ہے، پیغمبروں کی لائی ہوئی وہ تعلیم جس سے ناواقفیت کے نتیجے میں ایمان کا خطرہ ہے، آخرت کی ہلاکت ہے، تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس بات کو بچے کے لئے کیسے گوارا کیا جا رہا ہے؟ موجودہ تعلیمی نظام صرف لادینی نہیں، وہ ایک مثبت و معین نظام تعلیم ہے، ہندو دیومالا اس میں شامل ہے، انگریزوں کے زمانے میں تعلیم سیکولر تھی، کتے کے قصے ہوتے تھے اور ہم میں سے بہت سے لوگوں نے انگریزوں کے عہد حکومت میں انگریزی پڑھی ہے، اس وقت زبان سکھانے والی ابتدائی کتابوں سے نہ کسی کے عقیدہ پر اثر نہ پڑتا تھا، نہ کسی مخلوق کا تقدس پیدا ہوتا تھا اور نہ اس کائنات میں کسی مخلوق کا تصرف و اختیار معلوم ہوتا تھا، اس وقت بھیڑیئے، چیتے، بندر اور لومڑی اور بلی، کتے کے قصے بچے پڑھتے تھے، ویسے ہی گھر آتے تھے، جیسے جاتے تھے، لیکن اب صورت حال یہ نہیں ہے، سرکاری نصابی کتابوں میں عقیدہ پر اثر ڈالنے والے اسباق، قصے، کہانیاں اور مضامین ہوتے ہیں اور جو کسر کتابوں میں رہ جاتی ہے، وہ ماسٹر صاحبان پوری کرتے ہیں، بچوں کو کچھ اجتماعی کام ایسے کرنے پڑتے ہیں، جو اسلام کے عقیدہ توحید کے منافی ہیں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ڈھلوان راستہ ہو، جس پر پاؤں بھی نہ جمتے ہوں، اس پر کوئی بچہ سائیکل پر بیٹھا ہوا جا رہا ہو، آگے کھائی ہو، سائیکل کا بریک بھی ٹھیک کام نہ کرتا ہو، باپ دیکھ رہا ہے کہ بچہ سائیکل پر بیٹھا ہے اور اس سے بھی واقف ہے کہ بریک نہیں ہے، اس سے بھی واقف ہے کہ کوئی اور ترکیب نہیں کہ وہ سائیکل پر جاتے ہوئے کھائی سے بچ سکے گا تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس باپ نے جانتے بوجھتے اپنے بچے کو کھائی میں گرنے دیا، کیا کوئی صاحب

اس سے انکار کر سکتے ہیں؟؟

اگر اس سے انکار نہیں کر سکتے تو اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ موجودہ نظام تعلیم سے بچے کا ایمان کیسے سلامت رہے گا، اگر خارجی واضافی دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہے (جس کو سائیکل میں بریک کا قائم مقام کہا جاسکتا ہے) جس میں تحفظ کا انتظام ہے کہ اسکول میں بچہ جو کچھ پڑھ کر آتا ہے، اس کی اصلاح کی جاتی ہے اور اگر اس کو کوئی ایمانی توحیدی (Dose) دیا جاتا ہے، صباحی یا شبینہ مکتب ہیں، تعلیمی حلقے ہیں، کوئی دینی کتاب سنی جاتی ہے، ماں باپ دین کی تلقین کرتے ہیں، اچھے اچھے شوق انگیز اور دین آموز قصے سناتے ہیں، گھر کا ماحول دینی ہے، تب تو یہ کسی درجہ میں بریک کے قائم مقام ہیں اور اگر ایسا نہیں تو آپ نے گویا اپنے بچوں کے کان میں کہہ دیا ہے کہ ''اسکول کی ہر بات مان لینا'' یہ کان میں کہنے ہی کے مترادف ہے کہ آپ نے بچے کا نام کسی اسکول میں لکھایا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں کیا، گویا آپ نے اپنے بچوں کو ایک طرح کی ترغیب دی ہے کہ وہ ہر غیر اسلامی بات مانتا چلا جائے، اب اگر وہ مانتا ہے کہ دینی کتابیں پڑھ سکے، نہ محلہ میں کسی مکتب کا انتظام ہے تو آپ بتائیے کہ کیا آپ ''قوا انفسکم واھلیکم نارا'' کے مخاطب نہیں ہیں؟

لکھنؤ کے ایک زنانہ جلسے میں خواتین کی بڑی تعداد تھی، میں نے کہا: ایک ماں کا قصہ آپ کو سناتا ہوں، ایک تعلیم یافتہ خاتون ایک دعوت میں شریک تھیں، بیبیوں نے دیکھا کہ وہ کچھ بے چین اور متفکر سی ہیں، باتوں میں ان کا دل نہیں لگ رہا ہے، ان کی عزیز بیبیاں اور سہیلیاں سب بیٹھی دلچسپی کی باتیں کر رہی ہیں، بہت دن کے بعد وہ اکٹھا ہوئی تھیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان خاتون کا دل ودماغ کہیں اور ہے، وہ کہیں اور دیکھ رہی ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ بہن کیا بات ہے؟ طبیعت کچھ خراب ہے؟ کوئی اندرونی تکلیف ہے؟ بہت پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں، میں گھر ماچس کی ڈبیا چھپانا بھول گئی، بچہ وہاں ہے، مجھے یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں وہ اس میں سے تیلی نکال لے اور مسالہ سے رگڑ کر اپنے کپڑوں میں آگ لگا لے، بیبیوں نے پوچھا، اللہ رکھے، بچے کی کیا عمر ہے؟ خاتون نے جواب دیا: یہی دو سال کی! خیال کیجئے، بچہ ماچس کے بکس کو کھولنا جانتا ہے اور کھولے گا تو الٹی تیلی رگڑے گا یا سیدھی رگڑے گا، جدھر مسالہ ہے مگر:

''عشق است و ہزار بدگمانی''

محبت یہ سب چیزیں پیدا کر دیتی ہے، وہ چونکہ ماں ہیں، اللہ نے مامتا دی ہے، محبت دی ہے بچہ کی، اس لئے وہ باتیں جو بہت بعید از قیاس ہیں اور کہیں برسوں میں ہوتی ہیں، سب ان کے سامنے نقشہ کی طرح ہیں، بچہ کھیلتے کھیلتے وہاں پہنچا، ماچس کی ڈبیا اٹھائی، اس کو کھولا، اس نے کبھی دیکھا تھا، اپنی بڑی بہن کو یا بھائی کو کس طرح اس سے کام لیا جاتا ہے، اس نے اس کی نقل کی اور اپنے کپڑوں میں آگ لگالی، جب گھر گئے تو معلوم ہوا کہ (خدانخواستہ) یہ واقعہ پیش آیا، اتنے دور کے احتمالات کی وجہ سے وہ بی بی وہاں اس طرح بے چین نظر آتی تھیں کہ جیسے کوئی آدمی دہکتے ہوئے گرم پتھر پر کھڑا ہو یا کوئی کانٹوں پر بیٹھا ہوا ہو۔

کیا دین کے منافی ماحول میں دین وایمان سے محروم ہو جانے کے احتمالات، جانی خطرات کے احتمالات سے زیادہ قوی نہیں ہیں؟ جو اس چاہنے والی ماں کے دل میں پیدا ہوئے؟ ہمارے بچے جو پڑھ رہے ہیں، جن کو آپ نے ایک دن نہیں بتایا کہ توحید کیا ہے؟ آپ نے کوئی انتظام اپنے شہر یا محلہ میں دینی مکاتب کا نہیں کیا، جہاں بچے پڑھ کر پھر اسکولوں میں جاتے اور اپنا ایمان بچانے کے قابل ہو جاتے، نہ گھروں میں وہ ماحول، نہ محلّہ اور بستی میں یہ فضا، اسکولوں کو میں کیا کہوں، میں عربی مدارس کا آدمی ہوں، وہاں یہ حالت ہے کہ اب جو بچے آرہے ہیں، وہ بھی ایسی بنیادی باتوں سے ناواقف ہیں، جن کا ہمارے بچپن میں خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی مسلمان بچہ ان سے ناواقف ہوگا۔

ایسی صورت حال کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نسل کی نسل دین سے بالکل نا آشنا ہوگی، اردو پڑھ نہیں سکے گی، آج یہ حالت ہو رہی ہے کہ ایک بڑے طبیہ کالج کے جس کی ایک تاریخ ہے، ایک طالب علم سے کوئی مضمون لکھوانا تھا یا خط لکھوانا تھا، تو سوچا کہ یہ صاحب تو طب کی کتابیں پڑھتے ہیں، جو عام طور پر عربی، فارسی میں ہیں، بہت نیچے اتریئے تو اردو میں ہیں، ان سے کہا، آپ لکھئے، وہ لکھتے رہے، لوگ سمجھتے رہے کہ لکھ لیا، دیکھا تو وہ ہندی میں تھا، ان سے کہا گیا کہ آپ یونانی طب پڑھتے ہیں اور اردو نہیں لکھ سکتے؟ انہوں نے کہا، ہمیں تو یہی پڑھایا گیا ہے، تو ایک ایسی نسل کے تیار ہونے کا محض اندیشہ نہیں، مشاہدہ میں آرہا ہے، دین کی بنیادی چیزوں سے ناواقف، بنیادی عقائد سے ناواقف، اللہ ورسول کا ہمارے دل و دماغ میں جو عقیدہ بسا ہوا ہے، اس سے ناواقف، یہ نسل پیدا ہوگئی ہے اور جوانی کے قریب اب پہنچ رہی ہے۔ آنکھوں سے دیکھا گیا ہے کہ سیرت پر تقریر کرنی ہے، اسلامیہ اسکول، کالج ہے، جامعہ ہے اور ایک مسلمان نوجوان طالب علم کو کسی نے سیرت کا مضمون دیا، وہ ہندی میں لکھ کر لایا اور اردو میں پڑھا، الفاظ تو اردو اور رسم الخط ہندی اور یہ رسم الخط تو وہ چیز ہے کہ ''آرنلڈ ٹوائن بی'' جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی مورخ ہے، اس نے لکھا ہے کہ ''اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط بدل دینا کافی ہے، اس سے اس قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی اور پھر جس طرف چاہو، لے جاؤ''۔ جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے، اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے، وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا، نسل بدل گئی، آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں، فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے، آج سے ساٹھ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا:

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے　　　دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی ہے، ذرا دیر لگے گی، تیس برس، چالیس برس میں خود ایک ایسی نسل تیار ہو جائے گی، جس کے نزدیک کفر وایمان کا فرق، توحید وشرک کا فرق، عقائد و مذاہب کا فرق، سب بے معنی باتیں ہو جائیں گی، کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔

مسلمان ماں باپ اس ڈر سے کہ ہمارے بچے کا کیریئر خراب ہوجائے گا،اس کی مادری زبان اردو نہیں لکھاتے، اس کی دینیات کی تعلیم کا انتظام نہیں کرتے، بھلا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہوسکتی ہے؟ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے بچے کی تقدیر میں اسلام نہیں ہے یا یہ خدانخواستہ مسلمان نہیں رہے گا تو دعا کرے کہ اللہ اس کو خیر وعافیت سے اٹھالے، یہ مسلمان کی شان ہے۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ اور اپنے زمانہ کی ایک بڑی شاعر خاتون ہیں، وہ بڑا دردمند دل رکھتی ہیں، انہوں نے ساری عمر اپنے دو بھائیوں کے مرثیے کہے، جوان کو داغ مفارقت دے گئے تھے، کہا جاسکتا ہے کہ کسی زبان میں عورت کے کہے ہوئے مرثیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں جو انہوں نے اپنے بھائیوں کی یاد میں یادگار چھوڑا ہے، ان کا پورا دیوان صرف بھائیوں کے مرثیے سے بھرا ہوا ہے، ایسا دردمند دل رکھنے والی خاتون ایک معرکہ جہاد میں اپنے ایک بیٹے کو بلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بیٹا جاؤ، تم کو میں نے اسی دن کے لئے پالا تھا، جاؤ اللہ کے راستے میں جان دے دو، پھر دوسرے بیٹے کو بلاتی ہیں، تیسرے بیٹے کو بلاتی ہیں اور جب سب کی شہادت کی خبر آتی ہے تو کہتی ہے: " الحمدلله الذي أكرمني بشهادتهم "......اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت ذریعہ میری عزت بڑھائی، یہ ایمان کی شان ہے کہ اسلام پر سب کچھ قربان۔

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ سے صلہ کی تمنا

قاضی عبدالرحمٰن پانی پتی معروف بزرگ ہیں، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی بات ہے، معاشرہ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، تعلیم سے کوسوں دور اور شریعت کے احکامات سے لاعلم، بچوں اور عورتوں کو بے گناہ موت کے گھاٹ اتارا جاتا، قتل وغارت گری کی گرم بازاری تھی، واقعہ ہے کہ عدم تحفظ کا شکار انگریز عورتیں اپنے بچوں کے ہمراہ قاری صاحب کے گھر میں پناہ گزین ہوگئیں، حالات کے پُرامن ہونے کے بعد یہ عورتیں واپس چلی گئیں، عرصہ مند قاری صاحب کو کمشنر کا خط موصول ہوا، اس میں لکھا تھا کہ آپ کے نام سالانہ ایک لاکھ روپے مالیت کی جائیداد کا فیصلہ ہوا ہے، تشریف لاکر کاغذات وصول کرلیجئے، قاری صاحب نے اس پیشکش پر توجہ نہ دی، کمشنر خود آیا، قاری صاحب کے دریافت کرنے پر کمشنر نے اس انعام کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ آپ نے ہماری عورتوں اور بچوں کو تحفظ فراہم کیا تھا، یہ اسی احسان کا صلہ ہے، قاری صاحب نے کہا! میں نے تو اللہ کی شریعت پر عمل کے جذبے سے انہیں تحفظ فراہم کیا تھا، کسی بندے سے صلہ کی تمنا ہرگز نہ تھی۔ (صدائے وفاق:۹۷)